THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

# مابعد الطبیعیات، سائنس اور اخلاقیات: ابنِ رشد اور معاصر مغربی افکار کا تنقیدی و تقابلی جائزہ

# Metaphysics, Science, and Ethics: A Critical and Comparative Study of Averroes and Contemporary Western Thought

**_Dr. Ahmad_**
*Assistant Professor, Islamic Studies, Green International University, Lahore: dr.ahmad@giu.edu.pk*
**_Dr. Saba Yousuf_**
*School Teacher, Govt. Girls High School, Sahowala, Teh. Sambrial, Distt. Sialkot: drsaba313@gmail.com*

**_Abstract_**

*This study presents a critical and comparative analysis of the philosophical, scientific, and ethical discourses of* Averroes (1126 - 1198) *against the backdrop of contemporary Western thought. In an era dominated by secular materialism and positivism, the relationship between metaphysics, science, and morality has become increasingly polarized in the West. This research explores how Averroes maintained a profound harmony between reason and divine revelation, viewing physical causes not as accidental occurrences, but as manifestations of divine wisdom. In contrast, modern Western paradigms, ranging from Darwinian evolutionism and Cartesian dualism to Secularism and Pragmatism, have progressively decoupled empirical science from transcendent realities, leading to a profound crisis of objective ethics. Through a qualitative and analytical methodology, this paper scrutinizes key thematic areas, including the critique of evolutionary presuppositions, the metaphysical limits of physical laws, the nature of prophecy and miracles, and the sociopolitical implications of secularization and liberal individualism. The findings reveal that while Western positivism reduces human existence to material utility and subjective values, Averroes' balanced intellectual framework offers a resilient alternative that restores the sacred bond between science and morality. The study concludes that navigating contemporary global crises necessitates a return to an integrated epistemic model where empirical inquiry remains anchored in divine guidance and the universal ethical paradigm of the Prophet Muhammad (PBUH).*

***Keywords:*** *Averroes, Metaphysics, Contemporary Western Thought, Secularism, Positivism, Islamic Philosophy, Ethics.*

## تعارف

انسانی تاریخ میں مابعد الطبیعی حقائق، مادی سائنس اور اخلاقی اقدار کا باہمی تعلق ہمیشہ سے فکری بحثوں کا مرکز رہا ہے۔ اسلام نے روزِ اول سے عقلِ برہانی اور وحیِ الٰہی کے مابین ایک ایسا مخلصانہ توازن قائم کیا ہے جہاں مادی کائنات کی تحقیق دراصل صانعِ حقیقی کی معرفت کا ذریعہ بنتی ہے۔ تاہم، معاصر دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مغربی فکری نظام نے الہامی ماخذ سے آنکھیں بند کر کے عقل اور مادی سائنس کو ایک متصادم حاکمیت کے طور پر پیش کیا۔ مغرب کی اس دین بیزاری نے جہاں الحاد، لادینیت اور اندھی مادہ پرستی کو جنم دیا، وہاں کائنات کو

محض ایک مادی اتفاق قرار دے کر انسانیت کو ایک گہرے اخلاقی و وجودی بحران میں دھکیل دیا ہے، جہاں خیر و شر کے آفاقی معیارات یکسر پامال ہو چکے ہیں۔

اس فکری و تہذیبی تصادم کے تناظر میں، بارہویں صدی عیسوی کے عظیم مسلم فلاسفر اور شارحِ اعظم ابنِ رشد کا الٰہیاتی منہج عصرِ حاضر کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ابنِ رشد شریعت اور فلسفے کے تعلق میں اعتدال ملحوظ رکھتے ہیں؛ وہ ایک طرف واجب الوجود پر پختہ یقین کے ساتھ مادی اسباب کو الٰہی حکمت کا حصہ مانتے ہیں، تو دوسری طرف ایمان بالغیب کی فلسفیانہ تعبیر میں شریعت کے حدودِ باوقار کے پابند نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس، معاصر مغربی افکار، چارلس ڈارون کی ارتقائیت سے لے کر رینے ڈیکارٹ کے مادی تصورِ جوہر تک، اور جارج ہولی اوک کی لادینیت سے لے کر جان ڈیوی کی عملیت پسندی تک، کائنات کی ہر حقیقت کو صرف مادی پیمانے پر پرکھنے کی یک طرفہ روش پر گامزن ہیں۔ مغرب کا یہ لادین فکری استعمار، جو دجالی میڈیا کے مسلم فرنٹ مینز کے ذریعے مسلم دنیا کے دستوری و اخلاقی ڈھانچے پر بھی اثرانداز ہو رہا ہے، عقلِ انسانی کو وحی سے آزاد کر کے نفس کی بندگی سکھاتا ہے۔

زیرِ نظر تحریر اسی فکری خلیج کو پاٹنے کے لیے ایک اہم علمی کوشش ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد ابنِ رشد کے مسلمہ توحیدی و برہانی افکار کی روشنی میں معاصر مغرب کے ارتقائی، لادین اور مثبتیت پسندانہ رجحانات کا ایک جامع، تنقیدی اور تقابلی جائزہ پیش کرنا ہے۔ اس مقالے میں کائناتی حقائق، نظریہ ارتقاء، قوانینِ طبیعیات کا ارتقاء، نبوت و معجزات کی حقیقت، لادینیت کے فکری بحران، اور اخلاق و اقدار کے تحفظ میں اسوۂ رسول ﷺ کی آفاقیت جیسے کلیدی موضوعات کا علمی و مابعد الطبیعیاتی محاکمہ کیا گیا ہے، تاکہ دورِ حاضر کے لادین استعمار کے سامنے اسلام کے معتدل تہذیبی متبادل کو واضح کیا جا سکے۔

### کائناتی حقائق اور نظریہ ارتقاء کا فکری محاکمہ

ابن رشد خالق اور مخلوقات کے مابین امتیاز بیان کرتے ہیں۔ افلاک اپنی وسعت اور بلندی کی وجہ سے دیگر مخلوقات کے لیے عجوبہ ہیں، لیکن دراصل ان کی فطرت کامل نہیں۔ صرف اللہ رب العزت خالص حقیقت ہے۔ آپ کو امید تھی کہ کبھی رفعتوں کی تحقیق کا دروازہ کھلے گا۔ تب دنیا کو غیر مادی رب کے مبداء اول کا ثبوت مل جائے گا۔ آپ نے خالق و مالک کی معرفت کے لیے تحقیق کرنے پر توجہ دلائی۔ آپ نے مخلوق کی تخلیق خالق کا کارنامہ بتایا۔[1] مغرب میں سائنسی تحقیقات واقعی رفعتوں کو چھو رہی ہیں۔ ایسے میں امکان ہے کہ مغربی محققین خدا کو پہچان چکے ہیں، لیکن وہ منہ سے تسلیم کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ یا ابھی وہ رستے میں ہی ڈگمگا رہے ہیں، اور جب ان پر حقیقت آشکار ہو، تو مغرب سے سورج طلوع ہو جائے۔ تب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ارتقاء پسند اپنے نظریئے کو قابل دید حقیقت ہونے کا اصرار کرتے ہیں۔ ڈارون (1809ء تا 1882ء) نے ارتقاء کے طریقہ کار کی انہیں وضاحت دی ہے۔ ان کی نظر میں ارتقاء، قطع نظر اس سے کہ یہ کیسے ہوا، ہی حقیقت ہے۔

(1) الکشف عن مناهج الادلة لابن رشد (117)۔

نظریہ ارتقاء کو اگر تحقیقی مفرضہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ مغرب کے سائنسی معیار پر بھی پورا نہیں اترتا۔ ارتقاء پسند کشش ثقل کے مظاہر کو مثال کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں، کہ ارتقاء کے اندازے والے مظاہر کو بھی ایسے ہی دیکھنا چاہیۓ۔ کشش ثقل پر یقین رکھے بغیر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اسی لیے اسے حقیقت کے طور پر قبول کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ فطرت کا قانون ہے۔ ارتقاء پسندوں کا اصرار ہے کہ ایک خلیے پر مشتمل جاندار امیبا سے انسان کے ارتقا پر اتنا ہی اعتماد ہونا چاہیۓ، جیسا کہ اچھالا گیا گیند چھت پر چپکنے کے بجائے فرش پر گر جائے گا۔ اب تک ارتقاء پسند ارتقاء کو فطرت کا سائنسی قانون قرار دینے سے قاصر رہے ہیں، کیونکہ فطرت کے قانون میں شامل کرنے کے لیے ارتقاء بہت زیادہ مضحکہ خیز پیشکش ہے۔ کبھی کسی نے ارتقاء کو کائنات میں لاگو ہونے والے ریاضی کے بیانیے سے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

### عقیدۂ تخلیق اور لادین ارتقائیت کا تقابلی جائزہ

الہامی کتب میں پیدائش کے مضامین تخلیق کے اعتقاد کی دعوت دیتے ہیں۔ انہیں سائنسی معیار پر پرکھنا مشکل ہے۔ ارتقاء بھی تو لازمی طور پر ایک عقیدہ ہے، کیونکہ مالیکیول سے انسان کے ارتقاء کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس کا اندازہ اور اعتقاد ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جب ایک طرح کی مخلوق کی ایک مختلف قسم کی مخلوق کی شکل میں دیکھنے کی مثال مانگے جاتی ہے تو ارتقاء پسند حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک نوع کے اندر محدود تغیر کی مثال دیتے ہیں۔ جو ارتقاء اور تخلیق کے ماننے والوں کے مابین کوئی مسابقتی مسئلہ نہیں ہے۔ ارتقاء پسندوں کو اپنے اس یقین کے لیے بغیر ثبوت کے اعتبار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہائیڈروجن کا ایک بادل چودہ ارب سالوں میں لوگوں میں کیسے بدل گیا؟ عقیدے کا نظام جو عملی طور پر ہر چیز کی وضاحت کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہی ایک مذہب یا عالمی نظریہ ہے۔[1]

ابن رشد بجا کہتے ہیں کہ خالق کائنات نے اشرف المخلوقات کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کی پیدائش کے لیے منی کے مادے کو سبب بنا دیا۔ آپ کے مطابق انسانی سلسلے کی پیدائش میں واسطے حکمت ہیں۔ متکلمین نے واسطوں کے بغیر تخلیق کرنے کی بات کی ہے، جسے آپ حکمت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ کسان کا کام دانا پھینکنا ہے جسے باری تعالیٰ غلہ بنا دیتا ہے۔[2]

مغرب کے دینی طبقے نے ارتقاء پسندوں کو دعوت دی کہ خالق کائنات کو مان لیں۔ اس نظریے کو حقیقت سمجھنے کے لیے ارتقائی پیدائش میں مذہب کے ذریعے خدا کو شامل کرنا ہو گا۔ تب ارتقاء کو وسیع پیمانے پر مان لیا جائے گا۔ بصورت دیگر بنیادی طور پر یہ ملحدانہ اعتقادی نظام ہے، جو الحاد سے اپنی نسبت بیان کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔[3]

---

(1) Evolution and Genetics by J. Huxley (278).

(2) تہافت التہافت لابن رشد (179، 521) الکشف عن مناهج الادلة لابن رشد (156، 186)۔

(3) Haught, John F. Science and Faith: A New Introduction, NJ, Paulist Press, Mahwah, 2012 (15).

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025

ISSN P: 3006-3329

ISSN E: 3006-3337

### ایمان بالغیب کی فلسفیانہ تعبیر اور مادی جوہر کا تصور

ابن رشد کو خالق حقیقی پر پختہ یقین ہے، کہ وہ حقیقی قدیم ہے، جس کی کوئی علت نہیں۔ آپ نے تخلیق کے بارے میں فلاسفہ کے افکار سے اتفاق کیا ہے۔ باری تعالیٰ نے نے ایک خلقت پیدا کی اور اس طرح آگے تخلیق کا عمل جاری ہوا۔ آپ جہان کی ازلیت، خلود اور ابدیت کے فلسفیانہ تصور کے قائل ہیں۔ قرآن کریم میں خلق اور فطر کے الفاظ پیدائش کے معنی میں استعمال کیے گئے ہیں۔ آپ کے مطابق علمائے برہان انہیں بہتر طور پر سمجھ سکے ہیں۔ کسی بھی چیز کی تخلیق کو حدث وقدم کے الفاظ سے تعبیر کرنا بدعت ہے۔ آپ کے مطابق عوام کی طرح خواص یعنی متکلمین بھی تخلیق کی سمجھ سے قاصر رہے ہیں، نیز یہ کہ الہامی کتب اس بارے میں تماثیل بیان کرتی ہیں۔[1]

آپ مادے کو متحرک کرنے اور پھر اس کی تشکیل کو تخلیق کہتے ہیں۔ یہ ایسا عمل ہے کہ اس سے خالق کائنات اور دنیا میں ایک ہمیشہ کا تعلق استوار ہوا۔ مغربی تصورات مایوس کن ہیں کہ مغرب مادہ پسندی کو مادیت پرستی کی حد تک لے گیا ہے۔ سترہویں صدی میں ڈیکارٹ (م1650ء) نے دماغ اور طبیعت کا اپنا نظریہ متعارف کرایا، جس سے بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اس کا استدلال تھا کہ مادے کا جوہر توسیع ہے۔ یہ جوہر خلا میں کسی خاص مقام پر ایک صورت بناتا ہے، جس میں توانائی داخل نہیں ہوتی۔ اس کے بعد متعدد اہمیت کے حامل درمیانی مراحل ہیں۔ ان سے گذر جانے کے بعد تصویر سامنے آتی ہے، جس میں وسعت اور توانائی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے شکل غیر ضروری ہو جاتی ہے اور خلا میں وہ مقام منتشر ہو جاتا ہے۔

ابن رشد آسمانی اجسام کی حرکت، دنیاوی نظم ونسق، پیدائش اور ایجاد کو ملائکہ کی ذمہ داری بتاتے ہیں۔ آپ کے مطابق نظام کائنات بھی دنیاوی بادشاہت کے نظام کی طرح ہے۔ حاکم اعلیٰ کے احکامات کی پابندی مخلوق کے وجود کی زینت کا باعث ہے، کیونکہ وہ اپنے وجود کے لیے حاکم اعلیٰ کے محتاج ہیں۔[2]

ابن رشد کے مطابق امام غزالیؒ غلط سمجھے ہیں۔ لوح محفوظ کو سماوی فرشتوں کے نفوس ماننے کی بات فلاسفہ نے نہیں کی۔ ایسا بھی نہیں کہا گیا کہ انہیں دنیا میں ہونے والے حادثات کی جزئیات کا پتہ ہوتا ہے۔ آپ کے مطابق یہ ابن سینا کا خیال ہے کہ خوابیدہ شخص کا لوح محفوظ سے اتصال ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ مستقبل سے واقف ہو جاتا ہے۔ غیر نبی کے برعکس انبیاء کرامؑ کے نفوس قوی ہوتے ہیں۔ ان ہستیوں کے نفوس اجسام کے ظاہری حواس میں مستغرق نہیں ہوتے۔ وہ بیداری کی حالت میں غیب کے امور سے مطلع ہو جاتے ہیں۔ باقی لوگ خواب میں غیبی ادراک حاصل کرتے ہیں، جن کی خیال کی قوت کبھی بالکل وہی چیز دکھاتی ہے، اور کبھی اس کی مانند دیکھی بھالی اشیاء کی منظر کشی کرتی ہے۔

---

(1) تہافت التہافت لابن رشد (136، 168) فصل المقال (105)۔

(2) تہافت التہافت لابن رشد (109، 179) تلخیص السماء و العالم (189)۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

### قوانینِ طبیعیات کا ارتقاء اور اسلامی عقیدہِ تخلیق کا امتیاز

علمائے اسلام نے تخلیق میں خالق کا کردار آپ کی نسبت زیادہ واضح بتایا ہے، جس سے عقائد میں ابہام نہیں رہتا۔ اس سے مادیت پسندی کا یکسر رد ممکن ہوا ہے کہ شروع اور عدم سے پیدائش خالق کی ہی شان ہے۔ اس نے ایسی چیزیں پیدا کیں جن کا پہلے وجود ہی نہ تھا۔ مغرب سے تقابل کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ابن رشد مادے کے قدیم مانتے ہیں، اس کے باوجود آپ اللہ رب العزت کو فراموش نہیں کرتے۔ مغرب میں طبیعیات کے قوانین سمجھ لینے کو معرکہ قرار دیا جاتا تھا، لیکن اب کہا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں تصورات تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اس کا یہ بھی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ کمیت اور توانائی یعنی مادے کے بارے میں تصورات بھی بدل سکتے ہیں۔ پہلے کسی نے ایسا نہیں سوچا تھا لیکن اب چند ماہرین طبیعیات سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں کہ مادہ وقت کے ساتھ پیچھے کی طرف جا سکتا ہے۔ گویا طبیعیات کے قوانین ہر روز اجنبی ہو رہے ہیں اور طبیعیات کے مستقبل کے بارے میں ایک بات یقینی ہے کہ اس کا فیصلہ طبیعیات دان ہی کریں گے۔ مستقبل کی طبیعیات موجودہ طبیعیات اور اس کی مابعد الطبیعیات کی پابند نہیں ہو گی۔

### نبوت اور معجزات کی حقیقت اور مغربی غفلت

مغرب کو نبوت اور متنبیت میں امتیاز سے کوئی لگاؤ نہیں۔ مغرب میں اہل کتاب اپنے اپنے رسل کو ماننے کے دعویدار ہیں۔ ابن رشد اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ بتاتے ہیں کہ نبوت کا دعویدار یا تو سچا نبی ہو گا یا جھوٹا۔ عوام الناس خوارق و معجزات کو یقین اور تصدیق کی دلیل سمجھتے ہیں۔ آپ کے مطابق معجزہ کی وجہ سے مدعی نبوت کو نبی کہنا بھی درست نہیں۔ شریعت معجزہء مناسب پر اعتماد کرتی ہے کیونکہ اس سے علماء اور عوام کو شبہات میں تشفی ہوتی ہے۔ یہ تصدیق میں رہنمائی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے خوارق عادت کے بجائے شریعت کی دعوت دی۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ باری تعالیٰ کو روبرو دیکھا جائے لیکن آپ ﷺ نے ان کا مطالبہ نہیں مانا۔[1]

ابن رشد رویائے صالحہ کو منجانب باری تعالیٰ، اور ڈراؤنے خواب شیطان کی جانب سے سمجھتے ہیں۔ آپ ایک اور طرح کے خواب بھی بیان کرتے ہیں جن میں محو خواب بندہ خود سے بات کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کے خواب یقینی ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں میں نسبتاً زیادہ قوت تخیل ہوتی ہے۔ انہیں زیادہ خواب نظر آتے ہیں۔ موت اور نیند میں نفس کا فعل معطل ہو جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ نیند کے بعد بیداری زندگی کی واپسی ہے۔[2] قدیم فلاسفہ رویاء اور وحی لانے والے فرشتے کو عقل فعال سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ روحانی لیکن غیر جسمانی وجود رکھتا ہے۔ ابن رشد معراج کی وحی کو دیگر اقسام پر فضیلت دیتے ہیں۔[3]

---

(1) تہافت التہافت لابن رشد (109، 460) تلخیص مابعد الطبیعة لابن رشد (135)۔

(2) تہافت التہافت لابن رشد (483) تلخیص الحس و المحسوس لابن رشد (91)۔

(3) تہافت التہافت لابن رشد (514) الکشف عن مناہج الادلة (132، 173، 185)۔

مغرب میں آپ ﷺ کی ذات اطہر اور آپ ﷺ کے معجزات کا فلسفیانہ مطالعہ کرنے میں غفلت برتی گئی۔ وہاں تعصب کی عینک لگا کر توہین کی جسارتیں کرنے کو اعلیٰ تحقیق کا نام دیا جاتا ہے۔ نیز وہاں جھوٹے نبی کے بارے میں چشم پوشی کی جاتی ہے۔ آزادی کے بارے میں ابن رشد کے افکار شریعت کے دائرے کے اندر ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں آزادی کا تصور دین کے تمسخر میں بھی جائز ہے۔ جان لاک مغرب میں آزادی فکر کا مینارہ نور سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ماننا تھا کہ انسان آزاد اور تمام فطری حقوق ساتھ لے کر اس دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ 1789ء میں فرانس میں برپا ہونے والے انقلاب اور امریکی دستور کی طرح، بعد کے سیاسی فلسفے میں اس کے اثرات ملتے ہیں۔

### تکلیفِ شرعی کا فلسفہ اور قرآنِ کریم کا معجزانہ کلام

ابن رشد کا کہنا ہے کہ علم اللہ جل جلالہ نے بنایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کسی کے پاس ہو اور کوئی اس سے محروم رہے۔ آپ بجا کہتے ہیں کہ حاکم اول کی اطاعت کے بغیر کوئی چارا نہیں۔ یہی اطاعت تکلیف شرعی ہے۔[1] تکلیف شرعی کی تعلیم انبیاء علیہم السلام دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے وحی کے مطابق منکرین کو غیر اللہ کے ساتھ مل کر قرآن حکیم جیسی ایک کتاب یا اس کی سورتوں اور آیتوں کے معیار کا کلام لانے کا چیلنج ضرور دیا۔ علمی اور عملی میدان میں معجزہ لا ناصفاتِ نبوت کی قطعی دلیل بن جاتا ہے۔ دیگر افعال میں یہ نبوت کی گواہی اور قوت بنتا ہے۔ جیسے حکمت سے غذا، اس کی مجوزہ مقدار اور مناسب وقت کا پتہ چلتا ہے۔ طبیب کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کتاب عزیز کی وحی کے فعل سے شارع بنے۔ آپ ﷺ پر وحی کا نزول بدعت نہ تھا بلکہ یہ سابقہ انبیاءؑ کی طرح اتری۔[2] ابن رشد قرآن کریم کو اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے قدیم کہتے ہیں۔ آپ اس کے الفاظ کو مخلوق کہتے ہیں، جبکہ اس کے حروف آپ کی نظر میں انسانی صنعت میں شمار ہوتے ہیں۔

### لادینیت کا مغربی تصور اور ابنِ رشد کا فکری موقف

سپائنوزا کو یہودی ہونے کے باوجود یہودیوں نے قبول نہیں کیا۔ وہ مسیحی لوگوں کی نفرت کا نشانہ بھی بنا۔ اس نے اپنے فلسفے میں تصورِ خدا کو حاوی رکھا ہے، لیکن وہ خود کو الحاد کے الزام سے نہ بچا سکا۔ عہد نامہ قدیم کی بعض کتب کو قدماء سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس نسبت اور ان کے تالیف کے زمانے کے بارے میں اس نے سوال اٹھایا۔ اس نے صحائف کی تفسیر میں آزاد خیالی کی وکالت کی۔ وہ پاپائیت کے خلاف تھا اور اسے ریاست کا تابع دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے عقائد میں وحدت الوجود کا نظریہ پسند تھا۔

ابن رشد مختلف طبقات کی طرف سے استحصال کے خلاف تھے۔ مغرب میں کلیسا کے اقتدار کے خاتمے نے دیندار طبقے کو سوچنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے اپنی صدیوں کی لغزشوں کا تجزیہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے حکومت سے سمجھوتہ کر لیا۔ ریاست اور کلیسا نے اپنے دائرہ کار طے کیے۔ وہ مل کر عالمی استحصال میں مگن ہو گئے۔ لادینیت کی اصطلاح، ریاستی انتظام کو کلیسا کے معاملات سے الگ منظم کرنے میں استعمال کی جاتی ہے، اور لادین تعلیم کا مطلب دینی ہدایات کے بغیر علم کا انتظام کرنا ہے۔[3]

---

(1) تھافت التھافت لابن رشد (148، 463) تلخیص مابعد الطبیعة لابن رشد (135)۔

(2) الکشف عن مناھج الادلة لابن رشد، (184)۔

(3) Encyclopedia Britanica, Vol 20 (264).

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

### مغربی لادینیت کا فکری استعمار اور دجالی میڈیا کا کردار

ابن رشد لادینیت کے خلاف تھے۔ لادینیت کے مطابق مغرب میں آزادی بھی ہے۔ ایک شخص کو تب آزاد مانا جاتا ہے جب اس کی زبان اور عقل پر کوئی دینی یا مابعد الطبیعی گرفت نہ ہو۔ سیکولر فکر تمام فرسودہ تصوراتِ جہاں کی مکمل تردید کرتی ہے۔ یہ فطرت سے ماورا تصورات اور دینی تقدیس کی علامات منہدم بھی کرتی ہے۔ مابعد الطبیعی دنیا سے انسان کی توجہ اس زمان و مکاں کی طرف پھیرنے کا عمل سیکولرائزیشن ہے۔(1)

جارج ہولی اوک (1817ء تا 1906ء) نے 1840ء میں "Secularism" کی اصطلاح وضع کی۔ جان لاک کی وجہ سے الہامی ماخذوں سے چھٹکارا پانے کی فکر پروان چڑھائی۔ سائنسی طریقہ کار کی یقین کی حد تک تکریم کی گئی۔ یہ مذہبی تعلیمات کی تقدیس کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ قانون فطرت کی عقلی توجیہات کے معاشرے پر اثرات مرتب ہوئے۔ سیکولر اتیج وہ عہد ہے جس میں ایک مضبوط مومن کے لیے بھی عقیدے کے علاوہ کئی انسانی امکان ہیں، خدا پر یقین کے بجائے متبادل موجود ہیں۔(2)

مغربی تہذیب نے اپنی لادین فکر مسلم دنیا میں پھیلانے کی بہت کوشش کی ہے۔ ہمارے ہاں طے شدہ دستوری اور قانونی نکات میں من پسند ترامیم کی بحث چھیڑ دی جاتی ہے۔ اس میں دجالی میڈیا کے مسلم فرنٹ مین بہت گھناؤنا کردار اداء کر رہے ہیں۔ میڈیا نے سچ اور جھوٹ کی تمیز ختم کر دی ہے۔ آپ ﷺ نے اس بارے میں غیب کی خبر پہلے سے فرما دی ہے:

«يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُسْلِمًا وَيُمْسِي كَافِرًا»(3)

"ایک بندہ صبح کو مسلم جبکہ رات کو کافر ہو گا۔"

### خرقِ عادت، علم غیب اور زنادقہ کے اعتراضات کا محاکمہ

ابن رشد کے مطابق کسی چیز کا دوبارہ ہونا عادت ہے، اور ایسا بار بار ہونا انسان ذہن کو مانوس کرتا ہے۔ انبیاء کرام اور عام شخص میں فرق ہے۔ وہ عزت مآب ہستیاں وقت اور موقعے سے پہلے غیب کی خبریں جان لیتی ہیں۔ ایک عام شخص جب تک سائنسی تعلیم حاصل نہ کر لے، پیشینگوئی کے امکانات نہیں بتاتا۔ چونکہ غیر نبی سے ایسا کبھی نہیں ہوا، اس لیے کوئی انبیاء کی طرح دعویٰ نہیں کرتا۔ ابن رشد اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خرقِ عادت قرار دیتے ہیں۔ آپ نصیب کا امکان سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس ذات کے علم میں ایسا پہلے سے ہے۔ زنادقہ نے حضرت ابراہیمؑ کے پیش کردہ معجزات پر اعتراضات کیے تھے۔ آپ کے مطابق قدیم فلاسفہ نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔

عالم کی کئی ممکنہ ترجیحات تھیں۔ ان میں سے فاعل اول نے موجودہ حالت کو بہتر منتخب کیا۔ اس نے نظام تشکیل دیا اور قوانین بنائے۔ ایسا سوچنا متناقض ہے کہ انسان کان سے دیکھے اور آنکھ سے سونگھے۔ ابن رشد کے مطابق ایسا امکان گویا صانع کی حکمت کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ

(1) Harvey Cox, The secular city, Princeton University Press, Princeton, 1965 (1, 2).
(2) Charles Taylor, A Secular Age, Balkan Press, Harvard University, Cambridge, 2007 (3).
(3) مسلم، صحیح مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على المبادرة بالأعمال ومخافة المؤمن أن يحبط عمله، رقم: 169۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

نے حضرت آدمؑ کی مٹی سے تخلیق فرمائی، اور پھر نسل انسانی کو آگے بڑھانے کے لیے منی کو سبب بنایا۔ یہ حکمت خداوندی ہے اور ہر انسان کا بغیر واسطے کے جنم حکمت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ عظیم ذات اسی طرح کی عادت جاری فرماتی۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت نہیں بدلتی۔[1]

## نظامِ کائنات کی استواری اور دہریت کا علمی رد

نظام شمسی میں پائی جانے والی حرکت کا الٹنا، حکمت خداوندی کو باطل سمجھنے کے مترادف ہے۔ اسے اتفاق پر محمول کرنا دہریت کی حمایت ہوگی، کیونکہ دہریے پورے نظام اور اس کی تخلیق میں صانع کے کردار کو نہیں مانتے۔ وہ اسے محض ایک اتفاق سمجھتے ہیں۔ اسباب کی اہمیت کم کرتے ہوئے اسے باطل کہنا گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو باطل کہنا ہے۔ اسباب کی کیفیت اور غایت کی سمجھ ہی تو حکمت ہے، اور ہاتھ کا رعشے سے کانپنا خود ہاتھ کو حرکت دینے سے مختلف ہے۔

## مثبتیت پسندی کا عروج اور سائنسی علمیت کا تنقیدی محاکمہ

ابن رشد سائنسی افکار اور اس کی تعلیم کے ساتھ علوم دینیہ کو بھی اہمیت دیتے تھے، لیکن مغرب میں سائنس کی پرستش عام ہوتی چلی گئی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں برطانیہ اور امریکہ میں فطری علوم کے ساتھ فلسفہ کو مربوط کرنے کی کوششیں بڑھنیں۔ اس سے مثبت پسندی عروج پر پہنچ گئی۔ پچھلی صدیوں کے دوران سائنس نے جو پیشرفت کی تھی، اس سے لوگ متاثر ہوئے۔ وہ سمجھے کہ یہ پیشرفت دوسرے تمام افکار کے نظام پر سائنس کی موروثی برتری کی وجہ بنے گی۔

مثبت پسندی کے ناقدین نے کم از کم جزوی طور پر سائنسی سوچ کے بلبلے کو پنکچر کیا ہے۔ انہوں نے اسے دوسرے غیر سائنسی نظریات کے ساتھ مساوی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ یہ ایک کامل یا مکمل نظام نہیں ہے۔ انہوں نے سائنس کو ناپسند نہیں کیا اور نہ ہی اس کو ترک کرنے کی حمایت کی، لیکن انہوں نے مثبت پسندی میں کچھ خامیوں کو ظاہر کیا۔ ان کے مطابق دنیا کو سمجھنے کے لیے ایک نئے طریقے کی ضرورت ہے۔ ایسا مظاہرہ سائنس کو علم کی دوسری شکلوں کے ساتھ مربوط کرے گا۔

## سائنسی پیشرفت کی حدود اور غایتِ علوم میں ابنِ رشد کا اعتدال

سائنس کی مسلسل پیشرفت اور ٹیکنالوجی کی افادیت کے بارے میں آگاہی بڑھی ہے۔ عصر حاضر میں اہل مغرب سائنس پرستی اور اس کے برعکس سوچ رہے ہیں۔ مغرب نے دنیا کو پہلے کی نسبت سائنس کا زیادہ عادی کر دیا ہے۔ مغرب میں سوچا جاتا ہے کہ سمارٹ فونز اور فور جی نیٹ ورک سائنسی طاقت کا واضح ثبوت ہیں۔ اسی طرح دنیا کی بڑی آبادی سائنس کے ذریعے اپنی ضروریات پوری کر سکتی ہے۔ اس کی فراہم کردہ انقلابی زرعی ٹیکنالوجیز کی بدولت ہی اتنی زیادہ آبادی اپنا وجود رکھ سکتی ہے۔ وہاں یہ بھی احساس ابھرا ہے کہ سائنس بڑے پیمانے پر موت اور تباہی کی ذمہ دار ہے۔ ٹیکنالوجی کی محبت نے انسانوں کی آپس میں محبت میں اضافہ نہیں کیا۔ چنانچہ مثبتیت پسندی کی

(1) تهافت التهافت لابن رشد (179، 521) الكشف عن مناهج الادلة لابن رشد (156، 188)۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

رغبت اب بھی موجود ہے، کیونکہ سب سائنس کے عالمی نقطہ نظر کی طاقت کو سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے خطرات سے بھی زیادہ واقف ہیں۔

سائنس کے بارے میں مبہم موقف کے باوجود فلم اوتار میں مثبت انداز کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس میں فطرت کی قوتیں روحانی مخلوق نہیں ہیں۔ وہ گوشت پوست اور خون کے اجزاء پر مشتمل ہیں۔ انہیں سائنس کے ذریعے اصولی طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فلم بنیادی طور پر یہ بتا کر مثبت انداز اختیار کرتی ہے کہ دنیا میں کیا چیزیں موجود ہیں؟ اور یہ کہ اب بھی قدرتی دنیا کے ساتھ ایک نیم روحانی تعلقات کی گنجائش ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کارپوریٹ اور فوجی قسم کے ولن کی نسبت سائنسدان زیادہ تر اچھے لوگ ہوتے ہیں۔ ابن رشد کی نظر میں مخلوقات کی طرف التفات سے معرفت کی جستجو کرنے والے لوگ عالیشان ہیں۔[1]

ساؤتھ پارک کی ایک قسط میں چھکڑے میں بیٹھا بندہ مستقبل میں سفر کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ سیاسی اور مذہبی نظریات کی جگہ خالص سائنس کے ساتھ مثبت پسندی نے دنیا پر قبضہ کر لیا ہے۔ مستقبل کی دنیا میں ناقابل یقین ٹیکنالوجی ہے، لیکن جنگ، تعصب اور حماقت جیسی تمام بنیادی پریشانیاں بالکل یکساں ہیں۔ یہ گویا ثبتیت پسندی کے ناقدین کی فکر ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ سائنسی پیشرفت انسانیت کے تمام مسائل کا حل نہیں۔ ابن رشد کی فکر اس بارے میں پہلے سے متوازن تھی۔

ابن رشد کی نظر میں علوم کی معراج اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، اور انسان کے انجام کے بعد کی منزل آخرت ہے۔ وہاں منکرین خدا کے لیے بھاگنے کا موقعہ نہ ہوگا۔ آپ متکلمین کے برعکس آخرت میں یہاں کے اجسام کی طرح کے اجسام ملنے کا خیال رکھتے ہیں۔[2] مغرب میں بہت سے لوگ ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ ان کے لیے خدا کا وجود ایک سوال ہے۔ اسے سچ ماننے والے پائے جاتے ہیں، تو ملحد کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ وہاں ایسے رجعت پسند بھی ہیں جو ہاں یا نہ کی بجائے اسے بے معنی کہتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ سچائی یا غلط تجزیہ کے لئے لفظ خدا کافی اور واضح نہیں ہے۔

### ثبتیت پسندی کا الحادی بحران اور عملیت پسندی کا ارتقاء

زیادہ تر ادیان اس بات پر متفق ہیں کہ خدا انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ابن رشد کو یقین تھا کہ واجب الوجود کے بغیر سب کچھ عبث ہے۔ آپ نے بارہا کہا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی معبود یعنی ممتنع الوجود کا سرے سے امکان نہیں۔ آپ کے مطابق خدا کو دیکھ لینے کی اہمیت نہیں، بلکہ مخلوق میں غور و فکر کر کے اس کی پہچان پالینا ہی انسان کے لیے کافی ہے۔ مغربی فکر کا مثبت پسند دبستان الہامی تعلیمات سے چشم پوشی کر کے غلط رستے پر چل پڑا ہے۔ ان کے خیال میں خدا کی واضح اور سادہ سی تعریف تیار کرنا ناممکن ہے۔ کیا خدا موجود بھی ہے؟ تاریخی طور پر بیشتر ثبت پسند ملحد رہے ہیں۔ وہ صرف سائنس اور اس کے مظاہر پر یقین رکھتے ہیں۔ چونکہ سائنس خدا کے وجود کو ظاہر نہیں کر سکتی ہے۔ اس لئے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ چند مثبت پرست کہتے ہیں کہ خدا کا وجود باطل ہے، جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ

---

(1) تهافت التهافت لابن رشد (505)۔

(2) تهافت التهافت لابن رشد (553)      الكشف عن مناهج الادلة لابن رشد (205)۔

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

یہ بے معنی ہے۔ گویا مثبت پسندی یکسوئی سے عاری ہے۔ مثبتیت پسند کے لیے تین ممکنہ امکانات ہیں۔ ان میں سے غیر معمولی امکان، خدا کا موجود ہونا ہے، اگر اسے سائنس کے ذریعے دکھایا جاسکے۔ بصورت دیگر خدا کا وجود نہیں۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ خدا کا کوئی معنی نہیں۔[1] ہارورڈ سے فارغ التحصیل درجن بھر افراد نے میٹا فزیکل کلب کے نام سے ایک گروپ تشکیل دیا تھا۔ ان کی ترجمانی میں چارلس سینڈرس پیرس (1839ء تا 1914ء) نے کی، جس کا نقطہ نظر تھا کہ نظریات عمل کے اصول ہیں۔ تمام عقائد اور نظریات قیاس آرائیاں ہیں۔ ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔ یعنی ان میں مستقبل کی جانچ پھٹک اور تجربے کی روشنی میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ ولیم جیمز (1842ء تا 1910ء) نے بھی اس نظریے کی ترجمانی میں نام کمایا۔ وہ پی ایچ ڈی آکٹپس سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے 1898ء میں ایک کانفرنس میں فلسفیانہ تصورات اور ان کے عملی نتائج کے عنوان سے ایک خطاب کیا۔ اس دوران اس نے عملیت پسندی کی اصطلاح متعارف کرائی۔

عملیت پسندی خیالات کو واضح کرتی ہے۔ یہ نظریات کے عملی اثرات کے حوالے دیتی ہے۔ یہ الجھنوں سے بچاتی ہے اور بتاتی ہے کہ بنائے گئے ڈیزائن کے مقاصد سے کیا عملی اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ پانی اور اس کا کیمیائی نام $H_2O$ دو مختلف تصورات ہیں۔ ان کے اثرات میں کوئی عملی فرق نہیں، تو یہ ایک ہی چیز کا حوالہ ہیں۔ سچ اشیاء کے بجائے نظریات کی ملکیت ہے، اور تصدیق کے عمل کی تکمیل کا اشارہ کرتا ہے۔

### ٹیکنالوجی کا اخلاقی بحران اور فطرت پرستی کا مغربی ارتقاء

جان پوپر (1902ء تا 1994ء) کے مطابق عملیت پسندی سائنس اور ٹیکنالوجی کے مابین الجھن کا باعث بنتی ہے۔ یہ سائنسی نظریات کو آسان حسابی اصولوں سے ملا دیتی ہے۔ کلاسیکی عملیت پسندی کا آخری ممبر پروفیسر جان ڈیوی (1859ء تا 1952ء) ہے۔ وہ شکاگو یونیورسٹی میں پچھلی دہائی کے دوران ایک اہم شخصیت کے طور پر ابھرا۔ وہ 1904ء میں کولمبیا یونیورسٹی جاکر زیادہ ترقی پسند اور بااثر بن گیا۔ اس کے نتیجے میں، عملیت پسندی ملک اور بیرون ملک فلسفیانہ منظر نامے کی ایک اہم خصوصیت بن گئی۔ یورپ کے زیر اثر عملیت پسندی نے امریکہ کو ایک حقیقی فلسفیانہ روایت بنا دیا ہے۔

ڈیوی نے ٹیکنالوجی کا حقیقی فلسفہ تیار کیا کہ صنعتی معاشرے میں فرد کی آزادی کا خیال رکھا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس کی شرکت، لوگوں سے مشاورت، غور و خوض اور سیاسی اداروں کا سیاسی کنٹرول ضروری ہے۔ اس کے بیان کردہ جمہوری تصور کا مقصد ماہرین پر مشتمل حکمران طبقے کا سیاسی نظام ہے۔ یہ عوام کے مفادات کا تحفظ کرسکتا ہو۔ اس کے مطابق سائنس، آرٹس اور ٹیکنالوجی میں توازن ضروری ہے۔ سائنس پر یقین کی درجہ بندی میں نہ پڑا جائے۔ اس سے علم، عمل اور پیداوار کے حصول میں کام لینا چاہیے۔ ڈیوی نے دو

(1) John Polkinghorne, Belief in God in an Age of Science. Yale University Press, 1998 (23).
Swinburne, Richard, Is there a God?. Oxford University Press, 1997 (57).
The Catholic Encyclopedia, Robert Appleton Company, New York, 1911, Vol. 12 (313).

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ثقافتوں کے مابین پائے جانے والی خلیج اور تکنیکی پیشرفت پر بات کی۔ اس نے معاشرے پر سائنس کے اثرات سے خطرہ محسوس کیا۔ اس نے اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اسے اخلاقی ٹیکنالوجی کا نام دیا۔

اس نظریے کے ناقدین کی سوچ ہے کہ اب خود کو عملیت پسند کہنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ عملیت پسندوں نے حسی تجربیت کی روایت میں اصلاحات کرنے کے بارے میں سوچا ہے۔ اگرچہ کچھ نے آگے بڑھ کر اس روایت کو ختم کرنے کی سفارش بھی کی ہے۔ افادیت پسندی کو صحیح اور غلط کا تعین کرنے میں معقول ترنقطہ نظر سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کی واضح حدود ہیں۔ مستقبل کی پیش گوئی نہیں ہو سکتی، اس لیے یقینی طور پر جاننا مشکل ہے کہ اعمال کے انجام اچھا یا برا، کیا ہوگا؟ یہ افادیت پسندی کی ایک حد ہے۔ انصاف پسندی اور شخصی حقوق جیسی خصوصیات بھی افادیت پسندی کو پریشان کرتی ہیں، مثلاً چار مریضوں کی زندگی کا انحصار اعضا کی پیوندکاری میں ہو تو، ان کو بچانے کے لیے ایک صحتمند آدمی کو کیونکر قربان کیا جاسکتا ہے۔

یورپ میں عملیت پسندی کو ختم کرنے والوں میں سے برٹرینڈرسل پیش پیش ہے۔ اس کی نگاہ میں عملیت پسندی انجینئرز کا فلسفہ ہے، جو عمل یا نظریے کی خواہش کرتے ہیں، اور نظریات کے منتظر ہیں۔ رچرڈ روٹی نے فلسفیوں کو دوبارہ عملیت پسندی کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت دلائی۔ اس کے مطابق اگر کسی کا نظریہ سچ اور اس کے حریف کا غلط ہے، تو اس سے کیا ٹھوس عملی فرق پڑتا ہے؟ کوئی حقیقی اختلاف رائے نہیں ہے، اور اسی وجہ سے کوئی حقیقی مسئلہ نہیں ہے۔ (1)

مغرب ابن رشد کے برعکس ہے۔ وہ بحیثیت مجموعی تسخیر کائنات کو فطرت سے تصادم کے مترادف سمجھتا ہے۔ اس کی نشاندہی اس کے اپنے حلقوں میں ملتی ہے۔ وہاں لوگ ماحولیاتی آلودگی کے خلاف اور سرسبز دنیا کے حق میں نعرے لگا رہے ہیں۔ سترہویں صدی میں فطرت پرستی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس نے کئی تحریکوں کو جنم دیا۔ ان میں سے اٹھارہویں صدی میں بینتھم کی افادیت پسندی، والٹیئر کی خدا پرستی، مونٹس کیو کا مذہب سے فرار اور روسو اور ورڈزورتھ کی رومانی تحریک اہم ہیں۔ اسی صدی میں ہر چیز کی تنقید اور تضحیک، معلومات عامہ، اخلاقیات اور عقل پر زور، سائنس پر انحصار میں اضافہ، خدا خوفی کی کمی، وحی اور روحانیات سے بیزاری، لادینیت کے بعد فطری مذہب کی تلاش اور علوم میں سے مابعد الطبیعیات کا اخراج نمایاں رجحانات سامنے آئے۔

### انسانی ارادہ، تصورِ قضاوقدر اور جزاوسزا کا مسلم ومغربی منہج

عرب سامی النسل ہیں اور انہی کی طرح ان کا خیر وشر کا نظریہ الہامی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ اسی فطرت اور طبیعت کی وجہ سے انہوں نے قدیم فلاسفہ کی تحقیقات کی طرف توجہ نہ دی، اور اس نظریہ میں بھی شریعت پر اکتفاء کیا۔ علماء نے شرع سے قبل حسن وقبح میں اختلاف کیا ہے۔ ابن رشد افعال میں انسانی ارادے کی اہمیت بتاتے ہیں۔ اس میں اسباب کا عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ ارادے کو محدود اور متعین کرتے ہیں۔ انسان پسند آنے والی چیز کی طرف مائل ہوتا، اور ناخوشگوار دکھائی دینے والی چیزوں سے کتراتا ہے۔ انسانی جسم میں نظام ہیں جن کے مطابق بڑے نظم وضبط سے کام ہوتا ہے۔ جب علت خارجی اسباب سامنے لاتی ہے تو انسانی ارادہ بھی ان سے منسلک ہو جاتا ہے۔ قضاوقدر

---

(1) Consequences of Pragmatism by Richard Rotary (15).

ان اسباب و مسببات کا منظم سلسلہ ہے، جس کے سامنے انسان بے بس ہے۔ اللہ رب العزت نے لوح محفوظ میں غیبی علم کے مطابق لکھ دیا ہے۔ وہ ان اسباب کو جانتا ہے اور وہ ذات ہی ان کی علت ہے۔

اخلاق واقدار کی پاسداری میں ابن رشد روز جزا پر یقین رکھتے ہیں، لیکن آپ کی نصوص فہمی یہ ہے کہ حشر اجساد کا عقیدہ انبیائے بنی اسرائیل سے پہلے نہ تھا، اور بعد میں یہ مسلسل مانا گیا۔ ابن رشد کے مطابق دنیوی اجسام کے مماثل اجسام عطاء کیے جائیں گے، لیکن عوام الناس کی نظروں میں بعینہ یہی اجسام مستحسن ہیں، تو اسی پیرائے میں بتانا مناسب سمجھا گیا۔ مغربی دینداری کی فکر میں یوم آخرت میں کامیابی میں اختلاف ہے۔ یہ کامرانی فرقوں کے ایمان اور عقیدے کے مطابق مشروط اور محدود ہے۔ یہودیت اور مسیحیت میں حشر اجساد بھی ایک عقیدہ ہے، جبکہ ملحدین اور منکرین کو ایمان بالغیب سے کوئی سروکار نہیں۔[1]

**لبرل ازم کا مادی بحران اور اسوۂ رسول ﷺ کی آفاقیت**

عمانوئل کانٹ کے مطابق اقدار کا نظریہ ثقافت میں موجود ہے، جس کا اطلاق اخلاق کی مشابہت کی توسیع ہے۔ جیسا کہ اعزازی محبت بیرونی شائستگی کی مترادف محض تہذیب ہے۔[2] اب مغرب میں تاریخ اور فکر کے خاتمے کی بات کی جاتی ہے، کیونکہ مغرب میں انسانیت کی معراج لبرل ازم ہے۔ یہ مادی آسائش اور نفس کی بندگی کو انسان کا مقصد حیات قرار دیتا ہے۔ اس سے مغرب میں امروز کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے، جبکہ آنے والے کل کے بارے میں مایوسی بڑھ گئی ہے۔ خیر و شر میں تمیز ختم ہو گئی ہے۔ وہاں نظام اخلاق میں سدھار کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جا رہی، اور لوگوں کو پر تعیش زندگی میں ڈالنے کے لیے آئے روز ایجادات متعارف کرائی جا رہی ہیں۔ خالص فکر کو فکر کا خاتمہ کہنا قابل قدر ہے، لیکن یہ بھی اہم ہے کہ دنیا کی چیزوں میں ایک فعال رشتہ ہے۔[3]

مغربی تہذیب ایسا لادین نظام رکھتی ہے جس میں اخلاقی اقدار معروضی ہیں۔ انہیں وقت کے ساتھ اور ضرورت کے تحت بدلا جا سکتا ہے، کیونکہ انسانی اقدار کی تغیر پذیری اور عدم استقلال سیکولرائزیشن کا اٹوٹ انگ ہے۔ مغربی نظام اخلاق سکھاتا ہے کہ سنہری الواح میں آسمان سے اتارے گئے اخلاق اور اقدار کے معیار پر یقین رکھنے کی اب کوئی وجہ نہیں ہے۔ پہلے عمر بھر ان کی پاسداری کرنے کی تلقین کی جاتی تھی۔[4]

قدیم فلاسفہ کے شارح کے طور پر ابن رشد کی مابعد الطبیعیات سکھاتی ہے کہ سیاست اور فلسفے میں ہم آہنگ ضروری ہے۔ ابن رشد کو یقین ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اسوہ کامل ہے اور آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہے۔ ابن رشد نظریہ خیر و شر میں وحی الٰہی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔[5]

---

(1) تهافت التهافت لابن رشد (553)      الكشف عن مناهج الادلة لابن رشد (205)۔

(2) Immanuel Kant, Kant's Political Writings, editer: Hans Reiss, trans: H. B. Nisbet, Cambridge University Press, Cambridge, 1977 (49).

(3) Arendt , H. The Human Condition, University of Chicago Press, Chicago 1998 (17).

(4) The Secular city by Harvey Cox, (28, 31).

(5) الضروری فی اصول الفقه لابن رشد (42)۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

خلاصۃ البحث

زیرِ نظر تحقیق بنیادی طور پر ابنِ رشد کے فلسفیانہ و اخلاقی افکار سے مغربی فکر و تہذیب کے تقابل کے بارے میں ہے۔ اس پورے فکری تقابل سے یہ حتمی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ابنِ رشد شریعت اور فلسفے کے باہمی تعلق یا عقلیت پسندی میں ہمیشہ ایک مخلصانہ اعتدال ملحوظ رکھتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس جدید مغرب میں دین بیزاری کی وجہ سے ایک انتہا پسندانہ اور یک طرفہ روش اختیار کی گئی ہے؛ جیسا کہ معاصر مغرب میں ارتقاء پسندی اور لادین مادہ پرستی روایتی الہامی عقائد پر بری طرح حاوی ہو چکی ہے۔ ابنِ رشد مسلم مفکر ہونے کے ناطے پختہ اسلامی عقائد پر کاربند رہتے ہوئے ایمان بالغیب کی فلسفیانہ تعبیر، مادیت پسندی کے ابطال، اور مابعد الطبیعیات کے آفاقی افکار سمیت نبوت اور معجزے کے فلسفیانہ مطالعے میں مغرب کی نسبت بہت زیادہ محتاط، سنجیدہ اور شریعت کے تابع رویہ اپناتے ہیں۔ اس تقابلی مطالعے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابنِ رشد مغربی فکر کے برعکس لادینیت کی طرف بالکل مائل نہ تھے، بلکہ انہوں نے کائنات کے ہر مادی سبب میں ہمیشہ حکمتِ باری تعالیٰ پر گہری نظر رکھی، معاصر مغرب کی طرح سائنس و ٹیکنالوجی کی اندھی حاکمیت کو اپنا مذہبی عقیدہ نہ بنایا، اور انسانی معاشرے کے اخلاق و اقدار اور فلاحِ دارین کے حقیقی تعلق کو استوار کرنے میں وحیِ الٰہی کے ابدی احکامات کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ الہامی ماٰخذ سے مغرب کی یہ چشم پوشی جہاں اسے فکری و اخلاقی بحرانوں کی طرف لے گئی، وہاں ابنِ رشد کا برہانی و توحیدی منہج آج بھی مادی ترقی کو وحی کے تابع کر کے عالمی تہذیبی بحرانوں کا واحد معتدل حل پیش کرتا ہے۔

معاصر مغربی تہذیب نے مابعد الطبیعیات اور الہامی وحی سے ناطہ توڑ کر سائنس، ٹیکنالوجی اور لادین مادہ پرستی کو اپنا جو حتمی عقیدہ بنایا، وہ اسے ایک گہرے فکری و اخلاقی بحران کی طرف لے گیا ہے جہاں خیر و شر کا تصور مبہم اور انسانی وجود صرف نفس کی بندگی تک محدود ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس، ابنِ رشد کا فلسفہ یہ ثابت کرتا ہے کہ عقلِ برہانی اور مادی سائنس کے قوانین کبھی وحیِ الٰہی کے سچے احکامات سے متصادم نہیں ہو سکتے، بلکہ کائنات کے تمام طبیعی اسباب صانعِ حقیقی کی ازلی حکمت کے عکاس ہیں۔ چنانچہ، موجودہ دور کے عالمی تہذیبی و سائنسی فتنوں کا اصل علاج معاصر لادینیت کے آگے ہتھیار ڈالنا نہیں، بلکہ علم اور اخلاق کو دوبارہ اسوۂ رسول ﷺ کے تابع کر کے فلاحِ دارین کا معتدل راستہ اختیار کرنا ہے۔

معاصر مسلم دنیا کے تعلیمی و فکری اداروں میں ابنِ رشد کے توحیدی و برہانی منہج کو جدید نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ نئی نسل کو مغرب سے درآمد شدہ لادینیت، اندھی ارتقائیت اور مثبتیت پسندی کے فکری اثرات سے محفوظ رکھا جا سکے۔ معاصر اسلامی دانشوروں اور محققین کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ وہ جدید مادی سائنس اور ٹیکنالوجی کی افادیت کا انکار کیے بغیر، اس کی حاکمیت کو وحیِ الٰہی کے تابع رکھنے کے لیے ابنِ رشد کے فلسفۂ توازنِ عقل و وحی پر مزید گہری علمی تحقیقات سامنے لائیں۔ میڈیا، دستوری اداروں اور سماجی پلیٹ فارمز پر مابعد الطبیعی دنیا سے دوری اور مادہ پرستی کے پھیلتے ہوئے بحران کا سدِباب کرنے کے لیے الہامی اخلاق و اقدار اور فلاحِ دارین کے آفاقی تصور کو مستقل بنیادوں پر اجاگر کیا جائے، اور مغرب کے لبرل فکری استعمار کے سامنے دفاعی رویہ اپنانے کے بجائے اسلام کے معتدل تہذیبی نظام کو ایک مضبوط متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔ مسلم جامعات میں جدید طبیعیات، حیاتیات اور فلسفے کے طلبہ کو لادین مابعد الطبیعیات کے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.3, No.4, 2025
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

نقصانات سے آگاہ کرنے کے لیے اسلامی الٰہیات کے مآخذ پر مبنی خصوصی فکری کورسز متعارف کرائے جائیں تاکہ علم، عمل اور اخلاق کا وہ باوقار رشتہ دوبارہ بحال ہو سکے جو اسوۂ رسول ﷺ کی اصل روح ہے۔